© rasailojaraid.com

فقہی رخصتوں پر عمل

وسیع المشربی یا بے دینی؟

ذکی الرحمان غازی*

استفتا یا اہلِ علم سے زندگی کی پیچیدگیوں کے بارے میں شرعی رہنمائی طلب کرنا اسلامی معاشرتی زندگی کا لازمہ ہے۔اسی اہمیّت کے پیشِ نظر متعدد عظیم المرتبت ائمہ کرام کی استفتا کے موضوع پر مستقل تصنیفات ملتی ہیں، جن سے فتوے کی اہمیّت، ضابطے اور آداب کی وضاحت ہوتی ہے، نیز سائل اور مفتی، ہردو کے فرائضِ منصبی اور ذمہ داریوں اور ان سے متعلقہ احکامات کو بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔آج اگر اس موضوع کے حوالے سے مسلم معاشرے کے رویے کا تجزیہ کیا جائے ،تو یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ افتا و استفتا کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل بڑی حد تک شریعتِ حنیفہ کی تعلیمات سے منحرف اور ائمہ عظام کے مقرر کردہ اصولوں سے دُور ہو گیا ہے۔

آج افتا کے متعلّق ہمارے اندر احساسِ ذمہ داری کا فقدان، جلد بازی، بلا اثبات و مراجعہ ناپختہ رائے کا اظہار، باوجود نا اہلی اور غیر مستند ہونے کے فتویٰ دینے کی جسارت، اس میں سہولت کوشی اور مستفتی [سائل] کی خواہشِ نفس کی مطابقت کا اہتمام کرنے جیسی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا جملہ اُمور میں سے ہر ایک کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔ ان تمام امور میں سب سے زیادہ پُر خطر اور پُر فتن مسئلہ فتوے میں سہولت کوشی وتن آسانی کو مدنظر رکھنا ہے۔ فتوے میں حدِ اعتدال سے بڑھتا ہوا سہولت پسندی کا یہ رجحان ایک طرح سے فقہی رخصتوں پر عمل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوی محرک بنتا ہے، جو ایک بے حد خطرناک رجحان ہے۔ ہمارے زمانے میں اس بیماری نے ایک قسم کے فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے، جس کے نتیجے میں عالمِ اسلام میں خودساختہ آرا و فتاویٰ کا ایک خودرو جنگل وجود میں آ گیا ہے اور صنعتی اشیاے خورونوش کی طرح ہر نیا دن کچھ سرپھرے افکار کو جنم دیتا جاتا ہے۔ اس مضمون میں اسی حسّاس مسئلے کے کچھ پہلوؤں کے متعلّق بحث کی گئی ہے۔

وباللّٰہ التوفیق

شرعی رخصت کا مفہوم

عربی زبان میں رخصت کے لغوی معنیٰ تسہیل، تخفیف، تیسیر اور عدمِ تشدید کے آتے ہیں۔ (مقاییس اللغۃ، ابن فارس، ج۲، ص۵۰۰۔ لسان العرب، ابن منظور، ج۷، ص۴۰)۔ شرعی رخصت کے اصطلاحی معنیٰ ہیں: ''وہ حکمِ شرعی جو صعوبت سے سہولت کی طرف منتقل ہوا ہو اور جس میں کسی عذر کے باعث آسانی پیدا کر دی گئی ہو۔ اگرچہ اصلی حکم کا سبب جوں کا توں اپنی جگہ قائم ہو''۔ (رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، تاج الدین سبکی، ج۲، ص۲۶۔ مذکرۃ فی اصول الفقہ، محمد الامین شنقیطی، ص۶۰)

شرعی رخصت کے عام مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ ان گنجایشوں کی مشروعیت سے شارعِ حکیم کے پیشِ نظر یہ ہے کہ مکلفین پر تخفیف ہو اور احکامِ شریعت میں سہولت کا پہلو نمایاں رکھا جائے تاکہ ان پر عمل کا داعیہ باقی رہے اور بندگانِ خدا کی زندگی مشقت سے محفوظ رہ سکے۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو، یا پانی ناپید ہو گیا ہو، تو ایسی صورت میں تیمّم کرنا جائز ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○ (النساء ۴:۴۳) اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفعِ حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹّی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح قرآن کریم میں نصِ جلی کے ساتھ مردار کھانے کی حرمت وارد ہوئی ہے، لیکن آگے چل کر حالتِ اضطرار میں اس کے استعمال کی رخصت بھی دی گئی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (المائدہ ۵:۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سُور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کرلیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمھارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے، لہٰذا تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے (لہٰذا حرام وحلال کی جو قیود تم پر عائد کی گئی ہیں اُن کی پابندی کرو)۔ البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر اُن میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں مثالوں جیسی بے شمار مثالیں ہیں جو اسلامی شریعت میں رخصتوں کے ضمن میں آتی ہیں۔ بندگانِ خدا کے لیے سہولتوں کی فراہمی کا اہتمام اور رخصتوں کی مشروعیت ایک ایسا اسلامی اصول ہے جس کی تائید قرآن وسنت کی لاتعداد نصوص کی واضح دلالت سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اللہ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا" (۱۸۵:۲)۔ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج ۷۸:۲۲) "اس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چُن لیا ہے، اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی"۔ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم لوگ اللہ کی عطا کردہ رخصتوں پر عمل پیرا ہونے کو لازم پکڑو"۔ [علیکم برخصة اللّٰه الّذی رخص لکم] (مسلم، حدیث ۱۱۱۵، سنن نسائی، حدیث ۲۲۵۸، مع تصحیح البانی)

قرآن وسنت میں وارد اس قسم کی آیات واحادیث کی روشنی میں علمائے دین نے ایسے متعدد شرعی قواعد کا استنباط کیا ہے جو اسلام کی کشادگی اور عدل پروری کی جیتی جاگتی دلیل ہیں۔ متعدد اہلِ علم نے ان شرعی قاعدوں کو مختلف تاریخی ادوار میں مستقل تصانیف کا موضوع بنایا ہے۔ زیربحث موضوع سے تعلّق رکھنے والے چند شرعی قواعد یہ ہیں:

- المشقة تجلب التيسير، مشقت کا وجود آسانی لاتا ہے۔
- الحرج مرفوع، حرج کا ازالہ ضروری ہے۔
- لا ضرر ولا ضرار، نہ نقصان اٹھایا جائے نہ کسی کو پہنچایا جائے۔
- الضرر يُزال، متعدی ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔
- اذا ضاق الأمر اتّسع، جب معاملہ تنگ ہوجائے تو اس میں وسعت آجاتی ہے۔

مذکورہ بالا آیات، احادیث اور معتبر شرعی قواعد سے ایک طرف جہاں اسلامی شریعت کے عمومی مزاج کا پتا چلتا ہے، وہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملاتِ زندگی میں مشقتوں پر سہولتوں کی ترجیح اور رخصتوں کی فراہمی کا پہلو کسی بھی انسانی نظامِ حیات کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دینِ فطرت اسلام نے اس پہلو کی کماحقہ رعایت کی ہے۔ (رفع الحرج فی الشریعة الاسلامیة، ضوابطه وتطبیقاته، ڈاکٹر صالح بن حمید، ص ۹۳، الدُرر البهیّة فی الرخص الشرعیّة، ڈاکٹر اسامة الصلابی، ص ۶۰)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ان شرعی رخصتوں سے مستلزم کچھ احکام، شرائط اور ضابطے بھی ہوتے ہیں، جن پر علمائے اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں مستقل ابواب کے تحت سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ یہاں شرعی رخصتوں کے مفہوم اور ان کی وضاحت کے لیے مثالیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے بیان کی گئی ہیں تا کہ قارئین کی نظر میں زیرِ نظر مضمون کے موضوع سے ان کا کسی قسم کا التباس باقی نہ رہے۔ ہمارا موضوع فقہاے دین کی رخصتوں کا اتباع اور اس کی شرعی حیثیت ہے، اس پر تفصیلی کلام آگے آئے گا۔ اس کے برعکس شرعی رخصتوں پر عمل کرنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہوتی ، بشرطیکہ تمام لوازمات پائے جائیں اور کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو۔ اس مضمون کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فقہاے اسلام کے مختلف اقوال میں تلاشِ بسیار کے بعد آسان ترین قول کو اختیار کرنا، بذاتِ خود کس حد تک جائز ہے؟

اتباع کی تعریف

رخصت ہاے فقہیہ کی پیروی یا اتباع کی اہلِ علم نے متعدد تعریفیں کی ہیں۔ اگرچہ ان تعریفوں کا منشا و مفہوم ایک ہے لیکن ان میں سے بعض تعریفیں بڑی دقیق ہیں۔ علامہ بدرالدین زرکشیؒ کے نزدیک اتباع کی تعریف یہ ہے کہ انسان ہر فقہی مسلک سے اپنے لیے آسان جزیہ کو اختیار کرے (البحر المحیط، ج ۶، ص ۳۲۵)۔ جلال محلیؒ کے نزدیک تتبع یہ ہے کہ انسان اپنے پیش آمدہ مسائل میں ہر مسلک سے وہ لے جو اس کے لیے آسان ہو۔ (شرح المحلی علی جمع الجوامع، ج ۲، ص ۴۰۰) عصرِ حاضر میں بین الاقوامی اسلامی فقہی فورم (جدہ، سعودی عرب) نے اس کی جو تعریف اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ: انسان جان بوجھ کر ان مسلکی اجتہادات کو اختیار کرے جو کسی امر کو جائز قرار دیں، حالانکہ ان کے مقابلے میں اس امر کی ممانعت کے اجتہادات بھی پائے جاتے ہوں (قرارات و توصیات مجمع الفقه الاسلامی الدولی، ۱۵۹-۱۶۰، قرار رقم: ۷۰)۔

گذشتہ جملہ تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اتباع کا مطلب ہے کہ انسان دینی مسائل میں علماے کرام کا وہ قول اختیار کرے جو اس کے لیے سہولت کا حامل ہو، بایں طور کہ اس کا یہ بین المسلکی اتباع کسی دلیل کی قوت وفہم کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ اس کا محرک خواہشاتِ نفس کی پیروی، شہوت پرستی یا شریعت سے ناواقفیت یا اعراض ہو۔

تلفیق کا مسئلہ

اتباع سے ملتا جلتا لیکن اس سے بے حد مختلف ایک مسئلہ تلفیق کا ہے۔ تلفیق کا مطلب ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کسی ایک دینی مسئلے میں دو یا دو سے زیادہ فقہی اقوال کو اس طرح جوڑ کر دیکھا جائے کہ اس سے ایک ایسا تیسرا قول پیدا ہو جائے جس کو کسی مجتہد نے کبھی اختیار نہ کیا ہو۔(عمدة التحقيق فی التقليد والتلفيق، محمد سعید البانی، ص۹۱) بیش تر علماے کرام کے نزدیک تلفیق سرے سے ممنوع ہے، جب کہ بعض دیگر فقہا نے اس کو مشروط جائز رکھا ہے۔ جائز رکھنے والے فقہا میں نمایاں نام علامہ شہاب الدینؒ مالکی قرافی، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن القیمؒ اور عبدالرحمٰن معلّمیؒ کے آتے ہیں۔(التلفیق فی الاجتہاد والتقلید، ڈاکٹر ناصر المیمان، ص۱۸۱)۔ موجودہ زمانے میں بین الاقوامی اسلامی فقہی فورم (جدہ، سعودی عرب) نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ ذیل میں ان کی تجویز کردہ شرائط کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے:

۱- تلفیق کے نتیجے میں کسی ممنوع و حرام چیز کا جواز برآمد نہ ہوتا ہو۔

۲- تلفیق کی رو سے مسلمان حاکمِ وقت کا کوئی فیصلہ مسترد نہ ہوتا ہو۔

۳- تلفیق سے کسی معمول بہ تقلیدی حکم کا ابطال نہ ہوتا ہو۔

۴- اجماع یا اس کے لوازمات متاثر نہ ہوتے ہوں۔

۵- کوئی ایسا حکم یا حالت ترکیب نہ پاتی ہو جس پر کبھی کسی مجتہد کا عمل نہیں رہا۔

ان شرائط میں سے ہر شرط کے ضمن میں چند مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں، لیکن سرِ دست یہاں ہم صرف تلفیق اور تتبع کے مابین فرق بتانے پر اکتفا کریں گے:

۱- تتبع کے ذریعے سے اختلافی مسائل میں اسہل و خفیف قول پر عمل درآمد ہوتا ہے، جب کہ تلفیق کے ذریعے کسی ایک مسئلے میں دو یا دو سے زیادہ اقوال کو جمع کر کے ان سے کسی شرعی حکم کا استنباط کیا جاتا ہے۔

۲- تلفیق کے ذریعے فقہا کے اقوال میں تصرف کر کے ایسا حکم نکالا جاسکتا ہے جو کسی مجتہد نے کبھی مستنبط نہ کیا ہو، جب کہ تتبع میں صرف موجودہ اقوال کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی اپنا مطلوب حاصل کیا جاتا ہے۔

۳- تلفیق کا عمل بسا اوقات اجماع کی مخالفت کا سبب بن جاتا ہے، جب کہ تتبع میں نقضِ اجماع کا امکان نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخذِ رخصت کا حکم

اس عنوان کے تحت دو مسئلے آتے ہیں، شرعی رخصت کے اخذ کا حکم اور اتباع کا حکم۔ ہم سلسلہ وار ان پر گفتگو کریں گے:

● **شرعی رخصت کے اخذ کا حکم:** جمہور اہلِ علم کے نزدیک شرعی رخصتوں سے استفادے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان کے اسباب و دواعی کو مدِ نظر رکھا جائے۔ شرعی رخصت کی کئی اقسام ہیں:

۱- واجب رخصت، مثلاً حالتِ اضطرار میں مردار کا کھانا۔ چونکہ انسانی جان بچانا واجب ہے اس لیے یہ رخصت بھی واجب ہوگی۔

۲- مستحب رخصت، مثلاً حالتِ سفر میں نمازیں قصر کرنا، جب کہ تمام شرطیں پائی جائیں اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔

۳- مباح رخصت، مثلاً شدید اکراہ کی حالت میں قلبی ایمان رکھتے ہوئے کلمۂ کفر بول دینا۔

۴- خلافِ اولیٰ رخصت، مثلاً ماہِ رمضان میں کوئی ایسا مسافر روزہ نہ رکھے جس کے بارے میں یقین ہو کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنے سے وہ تکلیف میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح الکوکب المنیر، ابن النجار، الدرر البهية في الرخص الشرعية، ڈاکٹر اسامہ صلابی)

رخصت پر عمل کا حکم

فقہاے اسلام کی رخصتوں اور غلطیوں کو دلیل بنا کر آسانیاں تلاش کرنا ایک مذموم عمل ہے۔ علماے کرام نے سختی کے ساتھ اس عمل کی ممانعت کی ہے۔ بعض فقہا جیسے علامہ ابن حزمؒ ظاہری، ابن عبد البرؒ مالکی، ابوالولیدؒ باجی، ابن صلاحؒ شافعی اور ابن نجارؒ حنبلی وغیرہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ (مراتب الاجماع، ص ۵۸۔ جامع بيان العلم وفضله، ج ۲، ص ۹۱۔ حاشية الموافقات، ج ۵، ص ۸۲۔ أدب المفتي والمستفتي، ص ۱۲۵۔ شرح الكوكب المنير، ج ۴، ص ۵۷۸)

● **فقہا کی آرا:** یہاں اہلِ علم کے چند اقوال کا ذکر کرنا مناسب ہوگا:

۱- خلیفہ راشد ثانی حضرت عمرؓ ابن الخطاب فرماتے ہیں: ''دین کو تین چیزیں مسمار کر سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں: کسی عالم کی لغزش، منافق کا قیل وقال اور ائمۃ المسلمین کی گمراہی"۔ (سنن دارمی، ج۱، ص۷۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج۲، ص۱۳۵)

۲- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: "جو شخص علما کے نادر اقوال اختیار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا"۔ (سیر أعلام النبلاء، ج۷، ص۱۲۶)

۳- عز بن عبدالسلامؒ کہتے ہیں: "ائمہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرنا جائز ہے لیکن رخصتوں کا تتبع جائز نہیں"۔ (فتاویٰ العز بن عبد السلامؒ، ص۱۲۲)

۴- امام ذہبیؒ کہتے ہیں: "جو مسالک کی رخصتوں اور مجتہدین کی غلطیوں کی تلاش بسیار کرتا ہے، اس کی ایمانی حالت کمزور ہو جاتی ہے"۔ (سیر أعلام النبلاء، ج۸، ص۸۱)

۵- حضرت ابراہیم ابن علیہؒ کہتے ہیں: جو شخص بھی علمی شذوذ [منفرد رائے] کی پیروی کرتا ہے، ضلالت اس کا مقدر ہوتی ہے"۔ (ذیل مذکرۃ الحفاظ، ص۱۸۷)

ویسے تو اس مسئلے میں کبار علمائے اسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر ہم نے صرف چند اقوال ہی کو نقل کیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مذکورہ بالا تمام اقوال کا حکم اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو اتباعِ نفس، تساہل پرستی، شریعت سے اعراض یا تجاہل کے باعث ایسا کرتا ہے۔ البتہ اگر محرک یہ سب چیزیں نہیں ہیں تو درج ذیل شرائط کی رعایت کرتے ہوئے فقہی رخصتوں کو اختیار کیا جا سکتا ہے:

۱- رخصتوں کی اجازت دینے والے فقہا کے اقوال کو شرعی اعتبار حاصل ہو، یعنی ان کا شمار شذوذ میں نہ کیا جاتا ہو۔

۲- ان رخصتوں کے اختیار کرنے کی کوئی ضروری وجہ پائی جائے، مثلاً انفرادی یا معاشرتی سطح پر کسی واقعی مشقت کا ازالہ مقصود ہو۔

۳- رخصت اختیار کرنے والے کی علمی صلاحیت اتنی ہو کہ وہ بذاتِ خود فقہی مسائل میں بحث وتمحیص کر سکتا ہو، یا وہ کسی باصلاحیت خداترس عالم کے اعتماد پر ایسا کرے۔

۴- ان رخصتوں کا اختیار کرنا تلفیق کا سبب نہ بنتا ہو۔

۵- ان رخصتوں کو اختیار کرنے کا سبب کسی غیر شرعی مقصد کا حصول نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶- رخصت کے اختیار کرنے پر مکلّف کا دل آمادہ و مطمئن ہو۔(قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی الدولی، ص۱۵۹-۱۶۰)

اتباع رخصت کے مضر اثرات ونتائج

فقہی رخصتوں کا اتباع کرنے سے کچھ سلبی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو بسا اوقات بے حد سنگین منفی نتائج کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ متعدد اہلِ علم حضرات خصوصاً امام شاطبیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن صلاحؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے اس بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ یہاں اس کی تلخیص مرتب انداز میں پیش کی جاتی ہے:

۱- رخصتوں کا اتباع کرنے سے اسلامی شریعت کے اصول ومقاصد کی مخالفت لازم آتی ہے۔ شریعت اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ انسان اپنی خواہشاتِ نفس کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ جب کہ رخصتوں کا اتباع کرنے والا شخص ہمیشہ اپنی خواہشاتِ نفس کا اسیر بنا رہتا ہے۔

۲- رخصتوں کا اتباع تکالیفِ شرعیہ کے خلاف بلکہ عین تکلیفِ بشر کی ضد ہے، کیونکہ تتبع کی رو سے ہر شرعی حکم میں مکلّف کو جو چاہے کرنے کی آزادی مل جاتی ہے اور یہ بالآخر اسقاطِ تکلیف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۳- دلیل کی اتباع چھوڑ کر اختلاف کی اتباع کرنا، اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔ ارشادِ باری ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o (النساء ۴:۵۹) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

۴- رخصتوں کا اتباع کرنے سے دین اور احکامِ شرع کے لیے اہانت و استخفاف کا رویہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ جب یہ سیلاب بہ نکلتا ہے، تو کوئی اخلاقی و دینی بند بھی اس کے آگے کام نہیں دیتا۔

۵- رخصتوں کا اتباع کرنے میں انسان معلوم و مبرہن چیز کو چھوڑ کر مجہول و غیر ثابت چیز کو اختیار کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۶- رخصتوں کا اتباع کرنے کے نتیجے میں شریعت کا سیاسی و حکومتی نظام پارہ پارہ ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی بدولت اجتماعی قوانین کا نفاذ ناممکن ہو جاتا ہے جو عام انارکی و بدامنی پر منتج ہوتا ہے۔

۷- رخصتوں کا اتباع دیر سویر انسان کو تلفیق اور اجماع کی خلاف ورزی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

اتباعِ رخصت دورِ حاضر میں

اس عنوان کے تحت ہم اختصار کے ساتھ مفتیان و مستفتین [سائلین] ہر دو حضرات کے موجودہ حالات کا مختصراً تجزیہ کریں گے۔

● **اہلِ افتا کی صورت حال:** عصرِ حاضر کے بعض مفتیان حضرات کے افتائی منہج کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مذمت و توبیخ جو علماے سوء کے بارے میں وارد ہوئی ہے، ان حضرات پر صادق نہ آتی ہو۔ آج بہت سارے نام نہاد اہلِ علم حضرات نے تیسیر اور تسہیل کو ایک علمی منہج کی حیثیت سے اپنایا ہوا ہے اور اس منہج کی تائید میں عام اور غیر منضبط دلائل کا طومار بھی کھڑا کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جملہ دلائل اس مقولے کی قبیل سے ہیں جس کو تاریخ نے کلمة حقٍ ارید بها الباطل کا نام دیا تھا، یعنی ایسا کلمۂ حق جس کا نتیجہ باطل ہو۔ ان حضرات کے تمام دلائل کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ دین اپنے آپ میں آسان ہے اور اسلامی شریعت کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس کی بنیاد سہولت و سماحت اور رفعِ حرج جیسے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اگر چند مسائل کے اندر ان اصولوں کی روشنی میں اپنے فقہی سرمایے سے سہولت پر مبنی اقوال کو ترجیح دے دی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ بہت سے کوتاہ بیں حضرات ان صحیح ابتدائی مقدمات سے دھوکا کھا جاتے ہیں، حالانکہ ان مقدمات سے جن نتائج کو برآمد کیا جاتا ہے، وہ اپنے فاسد و غلط ہونے میں کسی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔ اگر شریعت اسلامی نے اپنی تکالیف میں یسر و سہولت کی رعایت کی ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ کیسے برآمد کر لیا جائے کہ اب فقہی اقوال میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کو دل چاہے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ نفس پرستوں کے لیے رخصتیں چھانٹ کر فراہم کرنے اور اسلامی شریعت کی سادگی و آسانی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور پھر شارع کی نافذ کردہ شرعی تکالیف کی مشقت کو کیسے کسی عالم یا فقیہ کے شذوذ کی بنیاد پر رفع کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بنیادی غلطی اور مغالطہ آمیزی ہوگی کہ ہم کسی صحیح اصل پر فاسد جزیے کی بنا رکھیں۔ مسئلے کی اس سنگینی کی وجہ سے ہی قدیم علماے اسلام نے بڑی شد و مد کے ساتھ اس کی ممانعت کی ہے(رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ابن تیمیہؒ۔ اعلام الموقعین، ابن القیمؒ، ج ۱، ص ۸۷۔ المبدع، ابن مفلح، ج ۱۰، ص ۲۵۔ کشاف القناع، منصور بن یونس البھوتی، ج ۶، ص ۳۰۰)

طرفہ تماشا یہ ہے کہ بعض نام نہاد اہلِ علم حضرات، فقہا کے ان اقوال و آرا تک سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں، جو واضح طور پر نصِ شرعی سے متصادم ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کی بھی کمی نہیں ہے جو عصری تغیّرات کا حوالہ دے کر اسلامی فقہ کی ازسرِ نو تدوین کا دم بھرتے نہیں تھکتے، حالانکہ اس طرزِ فکر کے جو مسموم اثرات و نتائج سامنے آئے ہیں اور بعض حضرات نے جس طرح قرآن و سنت کے خلاف بے سروپا افکار و خیالات اختیار کیے ہیں، وہ دیدۂ بینا کے لیے قابلِ عبرت و موعظت ہے۔ کہیں عورت کی امامت کو جواز بخشا جاتا ہے تو کہیں ارتداد اور دیگر جرائم کی شرعی حدود کے بطلان کی بات کی جاتی ہے۔ کہیں غنا و سرود کو مباح بتایا جاتا ہے تو کہیں ہر مسئلے میں مرد و عورت کی کامل مساوات کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہیں اجنبی عورت سے مصافحے اور تعارفی بوس و کنار کی وکالت ہوتی ہے تو کہیں قصاص کی ازسرِ نو تشریح و تعبیر کو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک کی قانون ساز کمیٹی کو تسلی دی جاتی ہے کہ وہ اپنے حساب سے جو بھی قانون بنانا چاہے بنائے، اس کو شرعی و فقہی استناد دینا ہمارا کام ہے۔ (ان اقوال کے لیے دیکھیے: التعالم وأثره على الفكر والكتاب، بکر ابوزید، ص ۱۲۲۔ ارسال الشواظ على من تتبع الشواذ، صالح شمرانی)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کسی عالم یا مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اختیار و خواہش کے مطابق فتاویٰ کا انتخاب کرے؟ اور کیا کوئی مفتی اپنی یا مستفتی کی خواہش کی موافقت میں کسی فقہی قول پر فتویٰ دے سکتا ہے؟ امام ابن القیمؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''ایسا کرنا بہت بُرا فسق اور بہت بڑا گناہ ہے، واللہ المستعان'' (اعلام الموقعین، ج ۴، ص ۱۸۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شاطبیؒ نے اس سوال کے جواب میں علامہ ابوالولید باجیؒ کا یہ قول نقل کر دیا ہے: ''کسی کے لیے بھی جائز، مناسب اور حلال نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دین میں ایسا فتویٰ دے جس کے حق ہونے کا وہ اعتقاد نہیں رکھتا، قطعِ نظر اس سے کہ اس کے فتوے سے کون راضی ہوتا ہے اور کون ناراض۔ مفتی کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا حکم بتاتا ہے، پھر بھلا کیسے وہ اللہ کی طرف سے ایسا حکم بیان کر سکتا ہے جس کے حکمِ الٰہی ہونے کا وہ خود بھی معتقد نہیں۔ اللہ نے ایسے مواقع کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا:

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ط (مائدہ ۵:۴۹) ''پس اے محمدؐ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنے میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمھاری طرف نازل کی ہے''۔ (الموافقات، ج ۵، ص ۹۱)

مسئلے کی سنگینی کے پیشِ نظر متعدد اہلِ علم نے مفتی ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط عدم تساہل اور عدم ترخیص پسندی [رخصت نہ دینا] کو بھی شامل کیا ہے۔ تساہل کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱- دلائل اور طریقِ احکام کی طلب میں سہولت کوشی کرنا اس طرح کہ ناپختہ افکار و خیالات کو معتبر قرار دیتا ہو۔ ایسا شخص اجتہاد کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کا فتویٰ دینا یا اس سے فتویٰ پوچھنا دونوں جائز نہیں۔

۲- رخصتوں کی طلب اور مشتبہ امور کی تاویل و توجیہ میں تساہل سے کام لیتا ہو۔ ایسا شخص اپنے دین میں کوتاہ اور مذکورہ بالا پہلی قسم کے متساہل سے کہیں زیادہ گناہ گار ہے۔ (قواطع الأدلة فی اصول الفقه، ابوالمظفر سمعانی، ج ۳، ص ۴۳۸۔ البحر المحیط، بدرالدین زرکشی، ج ۶، ص ۳۰۵)

حضرت قاضی اسماعیلؒ کہتے ہیں: ''میں عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے یہاں حاضر ہوا تو اس نے ایک کتاب میرے ہاتھ میں دی۔ میں نے کتاب کے مشمولات کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی چاپلوس درباری نے فقہا کی غلطیوں اور رخصتوں کو مع دلائل جمع کر کے خلیفہ کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کتاب کا مصنف ملحد و زندیق ہے۔ خلیفہ نے کہا: کیا اس کتاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ احادیث صحیح نہیں ہیں؟ میں نے کہا: احادیث تو درست ہیں لیکن جس فقیہ نے نبیذ کو حلال کہا ہے اس نے متعہ کو حرام مانا ہے، اور جس نے متعہ کو مباح کہا ہے اس نے نبیذ کو حرام مانا ہے۔ دیکھیے ہر فقیہِ دین کا کوئی نہ کوئی موقف غلط ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص ان کی غلطیوں کو جمع کر کے اسے اسلام بتائے تو اس کا دین باقی نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ نے اس کتاب کے تمام نسخوں کو جلانے کا حکم صادر کردیا''۔ (السنن الکبریٰ، بیہقیؒ، ج ۱۰، ص ۳۵۶)

صحیح بات یہ ہے کہ شریعت کے اختلافی مسائل میں، بقول شاطبیؒ، قرآن کے وضع کردہ ضابطے کی پیروی کی جانی چاہیے۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی کے بجائے ہمیں قرآن جو ضابطہ دیتا ہے وہ یہ کہ ہر متنازع معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے۔

> یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o (النساء ۴:۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

لہٰذا اگر کسی مسئلے میں دو مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کا فیصلہ شرعی دلائل کی روشنی میں کیا جانا چاہیے۔ اور دو مسلکوں میں سے کسی ایک کو محض سہولت کوشی اور اتباعِ نفس کی خاطر راجح ماننا رجوع الی اللہ والرسول کے منافی ہے۔ (الموافقات، الشاطبیؒ، ج ۵، ص ۸۱-۸۲)

فتویٰ لینے والوں کی صورت حال

فتوے کے تعلّق سے ہمارے دینی بھائیوں میں جو عام رجحان پیدا ہو چلا ہے اس کے نمایاں خدوخال یہ ہیں:

(ا) تساہل پرستی وسہولت کوشی۔

(ب) قربِ الٰہی کے احساس کی کمی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) مختلف المسالک علما حضرات کے اقوال کو آپس میں موضوعِ بحث بنانا۔

(د) شریعت پر عمل کرنے میں اپنی سہولت سے ترک وانتخاب کرنا۔

(ہ) ایک سے زیادہ علماے کرام سے فتویٰ پوچھنا اور آسان ترین ودل پسند فتوے پر عمل کرنا۔

مذکور بالا اوصاف آج ہمارے بیش تر دینی بھائیوں کے طرزِ عمل پر صادق آتے ہیں۔ علماے ربانیین نے ہمیشہ اس قسم کے غیر شرعی تصرفات پر شدت کے ساتھ نکیر فرمائی ہے، اور اس منحرف منہج کے پیروکاروں کو مختلف برے خطابات سے یاد کیا ہے۔ حضرت معمرؒ نے انھیں اللہ کے بدترین بندے کہا ہے (معرفة علوم الحديث، حاکم، ص ۵۶۔ تلخيص الحبير، ابن حجر، ج ۳، ص ۱۸۷)۔ علامہ ابن نجارؒ نے انھیں فسق سے موسوم کیا ہے (مختصر التحرير، ابن نجار، ص ۲۵۲)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''عام آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مختلف مسالک سے انتخاب کر کے ہر مسئلے میں آسان قول کو اختیار کرے'' (المستصفیٰ، ج ۲، ص ۴۶۹)۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس عمل کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے (جامع بيان العلم وفضله، ج ۲، ص ۹۱۔ شرح الکوکب المنیر، ابن نجار، ج ۴، ص ۵۷۸)۔ امام شاطبیؒ اور امام نوویؒ نے اس عمل کے منفی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اگر مستفتی ہر ہر مسئلے میں مختلف مسالک کی موجودہ گنجایشوں کا تتبع کرتا ہے، تو اس کا یہ عمل للّٰہیت سے دُوری، خواہشاتِ نفس کی پیروی اور شارع کی نافذ کردہ تمام حدود وقیود کو مسمار کرنے کے مترادف قرار پائے گا''۔ (الموافقات، ج، ص ۱۲۳۔ المجموع، ج ۱، ص ۵۵)

اہلِ علم نے فتویٰ حاصل کرنے کے لیے چار شرطیں تجویز کی ہیں:

۱- سائل کے استفتا کا مقصد حق سے آگہی اور اس پر عمل کا جذبہ ہو، نہ کہ گنجایشوں کی تلاش یا خواہشِ نفس کی پیروی۔

۲- فتویٰ ان لوگوں سے طلب کیا جائے جن کا علمی تبحر اور خدا ترسی وتقویٰ معلوم ومعروف ہو۔ مناسب ہوگا کہ اپنی دانست میں معتمد ترین اہلِ افتا کا انتخاب کیا جائے۔

۳- مسئولہ حالت اور سوال کو من وعن، درست اور تفصیل سے بیان کیا جائے۔

۴- مفتی صاحب کے جواب کو پوری توجہ اور بیدار مغزی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی نکتہ سمجھ میں نہ آئے تو استفسار کیا جائے۔خود سے اس کے معنیٰ و مفہوم کا تعیّن نہ کرے، اور نہ فتوے کے کچھ اجزا ہی کو لے کر باقی کو نظر انداز کرے۔

موجودہ المیہ اور حل

ہمارے زمانے کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس میں رخصتوں کو تلاش کرنا ایک رائج الوقت عمل بن گیا ہے۔اس بیماری کے عام ہونے میں بڑا ہاتھ بعض ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ کی سائٹوں پر فتویٰ دینے والے نااہل مفتیان کرام کا بھی ہے، جب کہ دوسرا بڑا ہاتھ اس مغرب زدہ مسلم طبقے کا ہے جس کی ساری تگ ودو کا مقصد ومحور یہی بنا ہوا ہے کہ کسی بھی طرح ہر مغربی چیز کو اسلامی چوکھٹا فراہم کر کے مسلم معاشرے میں پھیلا دیا جائے۔ اب یہ اقامتِ دین کے لیے اٹھنے والی دینی تحریکوں اور جماعتوں کے وابستگان اور علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دینِ حنیف پر مسلط اہلِ غلو کی غلط تحریفات، باطل پرستوں کے غلط انتسابات ودعوے اور جاہلوں کی دور ازکار تاویلات کا پردہ چاک کریں۔اس سلسلے میں چند تجاویز درج ذیل ہیں:

۱- اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کو آخری مرجع وحاکم کی حیثیت دی جانی چاہیے اور کسی بھی حالت میں کسی بھی دینی مسئلے میں ان سے رُوگردانی کی روش نہ اختیار کی جائے۔ارشادِ باری ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء ۴:۶۵) نہیں اے محمدؐ، تمھارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء ۴:۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

قرآن وسنت کا وہی فہم معتبر ومعتمد علیہ ہونا چاہیے جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ حضرات قرآن وسنت کی عملی تطبیق وتنفیذ کے چشم دید گواہ رہے ہیں اور اللہ کے رسولؐ نے ان کا تزکیہ فرمایا ہے، نیز ان کے نہج سے تمسک کا حکم دیتے ہوئے اس کے خلاف امور کو بدعتِ محدثہ قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ''تمھارے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر اس کے بعد والے پھر اس کے بعد والے...''۔ [خیر کم قرنی ثمّ الذین یلونهم ثمّ الذین یلونهم...] (بخاری، حدیث ۲۶۵۱۔ مسلم، حدیث ۶۶۳۸)۔ ''تم پر لازم ہے کہ میری اور ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو، اور کس کر دانتوں سے دبا لو۔ اور خبردار، دین میں پیدا ہونے والے امور سے بچنا، کیونکہ دین میں ہر نیا معاملہ بدعت ہے اور ہر بدعت ایک گمراہی ہے''۔ [علیکم بسنتی وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وايّاكم ومحدثات الأمور فانّ كلّ محدثةٍ بدعة وكلّ بدعةٍ ضلالة] (سنن ابوداؤد، حدیث ۴۶۰۷۔ سنن ترمذی، حدیث ۲۶۷۶۔ سنن ابن ماجه، حدیث ۴۲)

۲- اجماع کی حجیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کو توڑنے یا اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوششوں پر سخت موقف اختیار کیا جائے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء ۴:۱۱۵)، مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنّم میں جھونکیں گے جو بدترین جاے قرار ہے۔

۳- مختلف فیہ مسائل میں ایسے علماے کرام کی طرف رجوع کیا جائے جن کا صلاح وتقویٰ اور علمی تبحر مسلّم ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء ۴:۸۳) یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوف ناک خبر سن پاتے ہیں، اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو اِن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں، تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمھاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ) معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل ۱۶:۴۳) ''اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے''۔

(۴) عوام الناس کو تتبع کے مہلک راستے اور اس کی مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور اس سلسلے میں تقاریر، خطبے، کتابیں، کیسٹس، رسالے، لیکچر اور انفرادی نصیحتوں وغیرہ جیسے وسائل سے کام لیا جائے۔

(۵) اس خطرے کے اسباب و محرکات پر غور وخوض کرنے، نیز ان کا ازالہ کرنے کے لیے مختلف سطحوں پر علمی مذاکرے اور ورک شاپوں کا انعقاد کیا جائے۔

(۶) ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ سائٹوں پر فتویٰ دینے کے لیے ایسے حضرات کا تقرر یقینی بنایا جائے جو علمی تبحر، فہمِ سلیم، حسنِ پیش کش اور اعترافِ خطا جیسی اعلیٰ صفات سے متصف ہوں۔

(۷) اس قسم کی کسی بھی رائے یا موقف کا فوری محاسبہ کیا جائے اور اس عادت کے خوگر افراد پر مختلف اخلاقی طریقوں سے دباؤ ڈال کر اس عادتِ قبیحہ کے ترک پر آمادہ کیا جائے۔

★ مقالہ نگار، اسلامی یونی ورسٹی، مدینہ منورہ سے وابستہ ہیں

© rasailojaraid.com